پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

امام خمینیؒ اور ایران میں اسلامی جمہوریہ کا قیام

تاریخی جائزہ

۴ جون امام خمینیؒ کی برسی کی تاریخ ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ایک مختصر مضمون ان کے مندرجہ بالا کارنامے پر لکھ دوں اس لیے کہ ایسی ہستیوں کے کارناموں کو دہرانا، نئی نسل کی تعلیم کا ایک ذریعہ ہے۔

اسلامی جمہوریہ کا قیام مدینہ میں ۶۲۲ء میں عمل میں آیا۔ یہ وہ نظام حکومت ہے جس کو رسول اللہؐ نے دیا اور جس کا دنیا کے کسی کونے میں وجود نہ تھا بلکہ ہر جگہ مطلق العنانیت تھی۔ ظلم و جور اور استبداد کا دوردورہ تھا۔ اسلامی جمہوریہ کی بنیاد عدل و انصاف، سماجی مساوات اور تقویٰ پر تھی۔ مدینہ میں مسلمان، عیسائی، یہودی اور مورتی پوجا کرنے والے تھے اور یہ سب اسلامی جمہوریہ کے شہری تھے۔ ان کو اپنے مذہبی عقائد پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔ غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی جمہوریہ کی تھی۔ رسول اللہؐ کی ۶۳۲ء میں رحلت کے بعد خلافت رسول اللہؐ وجود میں آئی جو رسول اللہؐ کی قائم کردہ بنیادوں پر ۶۶۱ء تک چل سکی۔ ۶۶۱ء میں اسلامی جمہوری نظام ختم ہوا اور اس کی جگہ ملوکیت نے لی۔ امیر معاویہ نے اسلامی جمہوری نظام کے قاعدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا۔ یزید کے نام نہاد خلیفہ بننے کے بعد اسلامی جمہوری نظام کا شیرازہ تباہ و برباد ہوگیا۔ ۶۸۰ء میں واقعہ کربلا اسی نظام کے خلاف پہلا احتجاج تھا۔ نہ صرف یہ نظام سیاست تک محدود رہا اور نہ رہ ہی سکتا تھا اس نظام نے علماء و دانشوروں کی فکر کو بھی متاثر کیا۔ اگر ہم

اس دور میں لکھی گئی کتابوں کے عنوانات کا مطالعہ کریں تو وہ بھی ملوکیت کی طرف ہوئے رجحان کی بات کر رہے ہیں۔ مثلاً نصیحت الملوک، ذخیرۃ الملوک، آداب السلاطین، ماثر السلاطین وغیرہ وغیرہ۔ ملوکیت علماء کی ایک بڑی تعداد کی سمجھ وفکر کا حصہ ہوگئی۔ ہندوستان میں مولانا ضیاء الدین جو چودھویں صدی عیسوی کے مورخ اور سیاسی مفکر گذرے ہیں اپنی کتاب ''فتاویٰ جہانداری'' میں لکھتے ہیں کہ: ''اب سیاست میں اسلامی قوانین کی پابندی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ بغیر ایرانی سیاست کے حکومت کا قائم و جاری رکھنا ناممکنات سے ہے۔'' اس رائے میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ علماء کی ایک بڑی تعداد بھی اسی رائے کی حامی ہے۔ جہاں تصوف کی ابتداء کی دوسری وجوہات ہیں انھیں میں ایک اہم وجہ مسلمانوں میں ملوکیت کا قیام ہے۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ وہ اس غیر اسلامی نظام کا حصہ نہ بنیں اور جہاں تک ممکن ہو اس سے دوری رکھیں۔ ان مسلم سلاطین نے ملوکیت کے اثر میں اسلام کے بنیادی قوانین کو توڑنا شروع کیا۔ غیر مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا گیا۔ مسلمانوں میں تفریق پیدا کی کہ یہ عرب مسلمان ہیں، یہ غیر عرب، یہ موالی ہیں۔ غیر عرب مسلمانوں کو عرب مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی وہ آپس میں نکاح کر سکتے تھے۔ عربوں نے تو ایرانیوں کو عجمی کہا ہی۔ علماء نے بھی اپنی کتابوں میں ان کو عجمی ہی لکھا۔ بعض کتابوں کے تو ٹائٹل ہی یہی ہیں یعنی ''شعرالعجم'' وغیرہ وغیرہ۔ جب میر سید علی ہمدانی ۱۳۷۲ عیسوی میں سری نگر آئے تو کشمیر کے سلطان قطب الدین نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب میر سیّد علی ہمدانی نے سلطان قطب الدین کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کیں تو ان کو پتہ چلا کہ اس نے دو سگی بہنوں سے نکاح کر رکھا ہے لہٰذا انھوں نے ملاقات کی یہ شرط رکھی کہ پہلے وہ ایک بہن سے علیحدگی اختیار کرلے تب ملاقات ہوسکے گی۔ سلطان نے اس پر عمل کیا۔ کیا سلطان قطب الدین کے عہد میں کشمیر میں کوئی عالم نہ تھا جو سلطان کی اس غیر شرعی حرکت پر متنبہ کرتا؟ ہندوستان میں سنّی و شیعہ علماء نے اسلامی جمہوری نظام کو اپنی کتابوں اور مقالات کا موضوع نہیں بنایا۔ بہت بعد

میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک کتاب ''خلافت وملوکیت'' اُردو زبان میں لکھی جسے میں ان کا اہم کارنامہ سمجھتا ہوں کہ انھوں نے مسلمانوں کی سمجھ وفکر میں ملوکیت اور خلافت کو واضح کیا۔ حد تو یہ ہے کہ ہندوستان کی کچھ مرکزی و علاقائی یونیورسٹیوں مثلاً علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد اور کشمیر یونیورسٹی میں شیعہ اسلامک اسٹڈیز ہیں۔ ان شعبہ جات کے زیادہ تر سلیبس میں خلافت بنی اُمیہ اور خلافت بنی عباسیہ ہی لکھا ہے۔ خلافت تو ۶۳۲ء سے ۶۶۱ء تک رہی اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ بنی اُمیہ اور بنی عباسیہ کو علماء و دانشوروں نے ملوکیت سے نکالنے کی ایک ترکیب یہ کی کہ ۶۳۲ء تا ۶۶۱ء کے دور کو خلافت راشدہ کہا اور ۶۶۱ء تا ۱۲۵۸ء تک کے دور کو خلافت کہا تاکہ بنی اُمیہ و بنی عباسیہ کو تاریخ اسلام میں اہمیت حاصل ہوجائے اور انھیں ملوک کے زمرہ سے باہر نکال دیا گیا۔ بقول مولانا مودودی ۶۶۱ء تا ۱۲۵۸ء کا دور ملوکیت ہی کا ہے۔ اس طرح جدید دور میں ہمارے دانشور یونیورسٹی کے طلباء میں ایک غلط سمجھ پیدا کررہے ہیں جبکہ اسلامک اسٹڈیز کے یہ سلیبس، بورڈ آف اسٹڈیز سے پاس ہوتے ہیں جس میں اسلامک اسٹڈیز کے دو ایکسپرٹ بھی ہوتے ہیں شعبہ کے دوسرے ممبران کے علاوہ۔

۶۶۱ء میں اسلامی جمہوریہ سے ملوکیت میں تبدیلی کا اثر تمام مسلمانوں نے قبول کیا اور عجیب بات ہے کہ رسول اللہؐ کا قائم کردہ سیاسی نظام تو ۶۲۲ء سے ۶۶۱ء تک چلا اور جس نظام کو امیر معاویہ نے قائم کیا وہ ۲۰۰۵ء تک بھی مسلم ممالک میں قائم و دائم ہے۔ ملوکیت اور زمیندارانہ نظام نے مسلمانوں کی سمجھ و فکر کو متاثر کیا۔ حد یہ ہوئی کہ ابتدائی دور کے صوفیاء نے ملوکیت کے اس موروثی نظام سے برأت اختیار کی لیکن بعد کے صوفیاء بھی اسی موروثی نظام کا حصہ بن گئے یعنی شروع دور میں صوفیا اپنا خلیفہ جو ان کے مریدوں میں سب سے اہل ہوتا اس کو بناتے لیکن بعد میں صوفیاء کی خلافت اور سجادہ نشینی بھی موروثی ہوگئی۔ مساجد کی امامت، عہدۂ قضا سب موروثی ہوگئے۔ حالانکہ دوسرے معاملات میں سنی و شیعی علماء میں بہت سے

مسائل پر اختلاف رہا لیکن ملوکیت اور زمیندارانہ نظام کے دونوں حصہ بنے رہے اور بعض علماء بڑی بڑی زمینداریوں کے مالک رہے۔ مسلمانوں نے شریعت کے خلاف زمینداری کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنی جائداد کا متولی پسر اکبر کو بنایا تاکہ زمینداری تقسیم ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ وقف نامے اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ مسلم پرسنل لاء بناتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ کھیت اور باغ میں باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد میں بیٹیوں کو محروم کردیا گیا تاکہ زمینداری کی زمینیں محفوظ رہ سکیں۔ حالانکہ ہندوستان میں زمینداری کا خاتمہ ہوگیا لیکن پاکستان میں ابھی بھی موجود ہے۔ سنی وشیعی علماء کی ایک بڑی تعداد نوابوں اور مسلم زمینداروں سے منسلک رہی اور ہم نے آہستہ آہستہ اسلام کے جمہوری نظام کو بھلا دیا۔

ایران میں بھی اکثریت مسلمانوں کی تھی اور وہ بھی اسی ملوکانہ و زمیندارانہ ماحول کا حصہ تھے۔ وہاں شہنشاہ آریامہر تھے۔ ظاہر ہے کہ ایران کا سیاسی نظام بھی غیر اسلامی تھا اور وہاں بھی بڑی تعداد میں شیعی علماء موجود تھے۔ ہندوستان و پاکستان کے شیعی علماء کا بھی تعلق اس دور میں ایران اور ایران کے شہنشاہ آریامہر سے رہا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اس ملوکیت اور زمیندارانہ نظام کے سمندر میں امام خمینیؒ کو کیسے یہ خیال آیا کہ ایران میں اسلامی جمہوری نظام قائم ہونا چاہیے۔ انھوں نے شہنشاہ آریامہر کے ملوکانہ نظام کے خلاف تحریک چلائی۔ امام خمینیؒ اور ایران کے عوام نے قربانیاں دیں جس کے نتیجے میں ایران میں اسلامی جمہوری نظام قائم کیا جس کو ہم نے ۶۶۱ء میں کھو دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں کی ایک بڑی تعداد بجائے امام خمینیؒ کے اس کارنامہ کو سراہنے کے مخالفت شروع کردی۔ چاہے وہ عراق کے صدام حسین ہوں یا سعودی عرب اور کویت کے شاہ ہوں سبھی مخالف ہوگئے اور اس انقلاب کو ختم کرنے کے لیے ایران پر جنگ تھوپ دی۔ صدام حسین نے ایران پر حملہ کیا جس میں انھیں کویت سے مدد ملی۔ ہمارا پتہ نہیں کیوں یہ مزاج بن گیا کہ ہم جمہوریت اور جمہوری قدروں سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ دراصل یہی ہمارے زوال کا باعث ہے۔